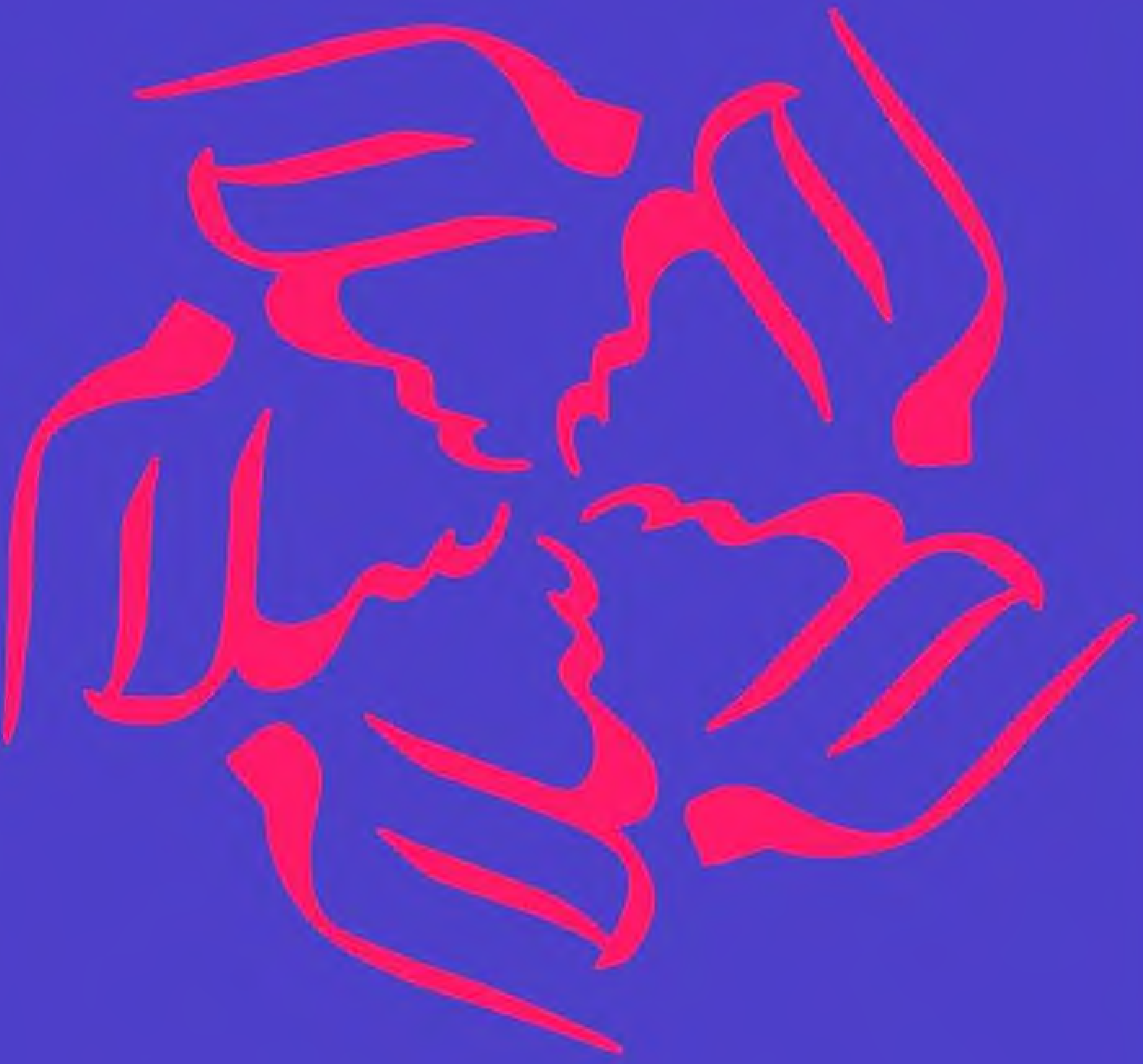

شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی

سلام

اکبرؑ و عونؑ و محمدؑ قاسمؑ و عباسؑ و حرؑ

اللہ اللہ آب و تابِ عقد پروینِ حسینؑ

بحر کا ہر قطرہ وقفِ ظنِ میزانِ فرات

دہر کا ہر ذرہ زیرِ دامِ تخمینِ حسینؑ

پیکرِ اقدس پہ تلواروں نے ڈالے جیب شگاف

مسکرائے سوچ کر کچھ فکرِ حق بینِ حسینؑ

آئے ہیں دربارِ قربانی میں سقراط و مسیح

ہاں بٹھا دو تخت کے نزدیک پائینِ حسینؑ

آبِ خنجر سے اگر تبلیغ کی بجھتی نہ پیاس

آبِ کوثر سے کبھی ہوتی نہ تسکینِ حسینؑ

میرِ بزمِ آب و گل ہیں عاشقانِ بوترابؑ

خسروانِ علم و دانش ہیں مجانینِ حسینؑ

بعد ہی مابین آب و تشنگی کیا تھا مگر

غیرتِ حق کو نہ تھی منظور توہینِ حسینؑ

چھوٹ نکلا موت کے گرداب سے آبِ حیات

بن گئی بے رونقی دارائے تزئینِ حسینؑ

جوشِ رنگینی کفن کی ہے بہارِ کربلا

خون کی سرخی ہے عنوانِ مضامینِ حسینؑ

سلام

تو نے حسین دہر کو ششدر بنا دیا
طوفاں کو ناؤ، سیل کو لنگر بنا دیا

ان تلخیوں کو قند بنایا جو زہر تھی
پھر مسکرا کے قندِ مکرر بنا دیا

مولا حبیب ابنِ مظاہر کے شیب کو
تو نے شبابِ قاسمؑ و اکبرؑ بنا دیا

مقتل میں صرف ایک تبسم کی موج نے
زنجیرِ غم کو زلفِ معنبر بنا دیا

جس تشنگی کی آگ پہ تھی کربلا کی دھوپ
اس تشنگی کو چشمۂ کوثر بنا دیا

جو کاٹتا ہے گردنِ شاہانِ حق شکن
اپنی رگِ گلو کو وہ خنجر بنا دیا

جب پتھروں کو لوگ بتوں میں بدل چکے
تو نے بتوں کو توڑ کے پتھر بنا دیا

تیرے ثبات و عزم نے خود دوشِ موت کو
اک دائمی حیات کا منبر بنا دیا

یوں سر جھکا دیا کہ ردائے نیاز کو
ہم رنگِ نازِ حضرتِ داور بنا دیا

جس اک عدد میں دولتِ ذبحِ عظیم تھی
تو نے اس اک عدد کو بہتر ۷۲ بنا دیا

سلام

کیا نمازِ شاہ تھی، ارکانِ ایمانی کے ساتھ
دل بھی جھک جاتا تھا ہر سجدے میں پیشانی کے ساتھ

حشر تک زندہ ہے تیرا نام اے ابنِ رسولؐ!
کر چکا ہے تو وہ احساں، نوعِ انسانی کے ساتھ

اُن کے آگے صولتِ دُنیا کا ذکر، او ابنِ سعد
کھیلتی ہے جن کی ٹھوکر تاجِ سلطانی کے ساتھ

غیرتِ حق کو کہیں دیکھو نہ آ جائے جلال
ظالمو ہولی نہ کھیلو خونِ انسانی کے ساتھ

باندھتی ہو کیا ہوا، اے اہرمن کی آندھیو!
کھیلنا آساں نہیں ہے شمعِ یزدانی کے ساتھ

ہمتِ معصوم کو فاسق سے کیا خوف و خطر
یہ سفینہ مضحکہ کرتا ہے طغیانی کے ساتھ

صرف رو لینے سے قومیں جی نہیں اُٹھتیں کبھی
خوں فشانی بھی ہے لازم اشک افشانی کے ساتھ

آنکھ میں آنسو ہوں سینوں میں شرارِ زندگی
موجِ آتش بھی ہو، بہتے ہوئے پانی کے ساتھ

اہلِ بیتِؑ پاک کی ہر سانس کو اے مدعی!
ہاں ملا کر دیکھ لے آیاتِ قرآنی کے ساتھ

جوشؔ ہم ادنیٰ غلامانِ علیؑ مرتضےٰؑ
تمکنت سے پیش آتے ہیں جہانبانی کے ساتھ

سلام

محراب کی ہوس ہے نہ منبر کی آرزو
ہم کو ہے طبل و پرچم و لشکر کی آرزو

بامِ جدال و گردِ رہِ عزم کا ہے شوق
اورنگ کی ہوس ہے نہ افسر کی آرزو

کانٹوں پہ حق پرست بدلتے ہیں کروٹیں
بالش کا اشتیاق، نہ بستر کی آرزو

تعویذ کیا کروں گا کہ ان بازوؤں کو ہے
اژدر شکار قوتِ حیدرؑ کی آرزو

کرنا ہے اپنے خون میں ہم کو شناوری
تسنیم کی تڑپ ہے نہ کوثر کی آرزو

اس آرزو سے میرے لہو میں ہے جزر و مد
دشتِ بلا میں تھی جو بہتّر کی آرزو

رنگیں مزاجیوں کا نہیں ہے محل ہنوز
دل کو ہے خونِ مرحب و عنتر کی آرزو

رقصِ پری وشان و خرامِ صبا، حرام
دل کو ہے ضربِ فاتحِ خیبر کی آرزو

ہاں عمرِ جاوداں کی ہمیں بھی نوید دے
اے موت، اے جوانیِ اکبرؑ کی آرزو

جوشؔ اُس سبوئے قلب پہ کون و مکاں نثار
غلطاں ہو جس میں ساقیِ کوثر کی آرزو

سلام

حسینؑ ابن علیؑ دنیا کو حیراں کر دیا تو نے
سراب تشنگی کو آبِ حیواں کر دیا تو نے

نظر ڈالی تو ذرّوں کو جواہر میں بدل ڈالا
قدم رکھا تو شعلوں کو گلستاں کر دیا تو نے

تری کشتیِ جاں کو غرق کرنے جب بڑھا طوفاں
تو خود طوفاں کو غرق کشتیِ جاں کر دیا تو نے

ضمیر اہلِ وحشت اور ذات اہل وحشت کو
بہم پیچیدہ و دست و گریباں کر دیا تو نے

جراحت کو عطا کر کے شعارِ بخیہ و مرہم
خزاں کو ضامنِ رنگِ بہاراں کر دیا تو نے

جو دھندلا ہو چلا پہلا ورق منشورِ فطرت کا
تو اپنے خونِ دل کو زیبِ عنواں کر دیا تو نے

بجھی جب شمعِ جاں تو زیرِ موجِ دودِ پر افشاں
حقائق کو چراغِ زیرِ داماں کر دیا تو نے

بنا کر شمعِ طور اپنے لہو کے گرم قطروں کو
دیارِ ذہنِ عالم میں چراغاں کر دیا تو نے

بقا کے آسماں پر اک صباحِ نو دمک اٹھی
زمیں پر چاک جب اپنا گریباں کر دیا تو نے

رہے گا یہ ترا احسان سرکارِ مشیت پر
کہ اے ابنِ علیؑ انساں کو انساں کر دیا تو نے

کماں بے نوا کس طرح کرتے فرق سلطاں پر
بنی آدم کی اس مشکل کو آساں کر دیا تو نے

بنا کر بات، پیمبر کو بھی پیغمبری بخشی
چھڑک کر خون پھر قرآں کو قرآں کر دیا تو نے

نظر اٹھتی ہے سوئے جوشؔ تو حیرت یہ ہوتی ہے
کہ اس کافر کو اے مولا مسلماں کر دیا تو نے

سلام

کر چکا سیر، اصل مرکز پر اب آنا چاہیے
اس زمیں پر اک نئی بستی بسانا چاہیے

پڑ چکے ہیں سیکڑوں روحِ شہادت پر حجاب
مومنو! اب ان حجابوں کو اٹھانا چاہیے

استعاروں میں بیاں کرنے کے دن باقی نہیں
داستاں، اب صاف لفظوں میں سنانا چاہیے

یہ جھجک اچھی نہیں اے سوگوارانِ حسینؑ
باندھ کر سر سے کفن میداں میں آنا چاہیے

آنچ جب آنے لگے حق پر تو بہرِ زندگی
موت کو بڑھ کر کلیجے سے لگانا چاہیے

تیغ کے دامن کی جب آنے لگے رن سے ہوا
مرد کو انگڑائی لے کر مسکرانا چاہیے

تیری پابوسی کو خم ہے کب سے پشتِ آسماں
اے مسلماں! خاک سے اب سر اٹھانا چاہیے

یوں ابھرنے سے رہا نقشِ حیاتِ جاوداں
زندگی پر خون کی مہریں لگانا چاہیے

آفریں اے ہمتِ مردانۂ ابنِ رسولؐ
صاحبِ غیرت کو یونہی موت آنا چاہیے

بسترِ احمدؐ شبِ ہجرت یہ دیتا ہے صدا
اے علیؑ! مردوں کو یونہی نیند آنا چاہیے

کچھ سنا کیا کہہ رہا ہے جوشؔ! اکبرؑ کا شباب؟
مینہ میں تیروں کے جوانی کو نہانا چاہیے

سلام

طبع میں کیا، تیغِ بُراں میں روانی چاہیے
گُل فشانی تا کجا، اب خوں فشانی چاہیے

بستۂ زنجیرِ محکومی! خبر بھی ہے تجھے
مہر و مہ پر تجھ کو عزمِ حکمرانی چاہیے

مرقدِ شہزادۂ اکبرؑ سے آتی ہے صدا
حق پہ جو مٹ جائے ایسی نوجوانی چاہیے

شاہ فرماتے ہیں "جاے جا خدا کے نام پر"
موت جب کہتی ہے "اکبرؑ کی جوانی چاہیے"

سُن کے جس کا نام نبضیں چھوٹ جائیں موت کی
دین کے ساونت کو وہ زندگانی چاہیے

عمرِ فانی سے تو برگِ کاہ تک ہے بہرہ مند
مرد کو ذوقِ حیاتِ جاودانی چاہیے

کون بڑھتا ہے لہو تھوڑا سا دینے کیلئے
لے عزیزو دین کی کھیتی کو پانی چاہیے

جن کے سینوں میں ہو سوزِ تشنگانِ کربلا
ان جواں مردوں کی تلواروں میں پانی چاہیے

جوشؔ! ذکرِ جراتِ مولا پہ شیون کے عوض
رُخ پہ شانِ فخر و نازِ کامرانی چاہیے